Maarif-e Auliya
Research Journal
Vol-3 Issue-3 (July-September 2025)

ISSN: (2311-6552)

Published:
August 28, 2025

Effects of Sufias’ Efforts to Spread Islam in Subcontinent

برّصغیر میں اشاعتِ اسلام کے لیے صوفیہ کرام کی کاوشیں اور اثرات

Muhammad Umar Zaman
Ph D Islamic Studies, Lahore Garrison University, Lahore

Dr Muhammad Waris Ali
Assistant Professor
Islamic Studies Department, Lahore Garrison University Lahore
Email: mwarisali@lgu.edu.pk

Abstract

Sufis played a crucial role in propagating Islam in the Indian subcontinent through their spiritual teachings, exemplary character, and humanitarian efforts. By establishing hospices, Sufi saints provided shelter, spiritual guidance, and social services, fostering a sense of community and compassion among the local population. Their emphasis on love, tolerance, and inclusivity resonated with people from diverse backgrounds, facilitating the peaceful spread of Islam. Sufis engaged in various activities to promote Islamic values and spirituality, including preaching, teaching, and spiritual mentorship. They also participated in interfaith dialogue, promoting mutual understanding and respect between different religious communities. Their message of unity, compassion, and spiritual growth appealed to people from all walks of life, contributing to the growth of Islam in the region. The Sufis' approach to Islam was characterized by simplicity, humility, and a focus on the inner dimensions of faith. They emphasized the importance of spiritual purification, love, and devotion, making Islam more accessible and appealing to the masses. Their efforts helped to create a cultural and spiritual environment that facilitated the spread of Islam, leaving a lasting impact on the religious and cultural landscape of the subcontinent. The legacy of Sufism in the subcontinent continues to inspire spiritual growth, cultural enrichment, and social harmony. Sufi shrines and mosques remain important centers of spiritual and cultural activity, attracting people from diverse backgrounds and promoting a sense of community and shared values. The impact of Sufism on the subcontinent's cultural and spiritual heritage is a testament to the enduring power of their message and the significance of their contributions to Islamic history and culture.

Keywords: Sufism, Islam, Subcontinent, Propagation, Spirituality, Efforts

جب ماہتاب نبوت نبی آخرالزمان حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے چھٹی صدی عیسوی میں اعلان نبوت فرمایا تو دیکھتے ہی دیکھتے اسلام کی روشنی شرق تا غرب پھیلنے لگی۔ تیئس سال کے قلیل عرصہ میں اسلام کی چمک سے کفرو شرک کے گھٹاٹوپ اندھیرے ختم ہو گئے۔ بڑی پرانی اور طاقتور سلطنتیں اور مطلق العنان حکومتیں دیکھتے ہی دیکھتے نیست نابود ہو گئیں۔ اس طرح قیصر و کسریٰ کے اقتدار محلات بھی زمین بوس ہو گئے۔ 93ھ/712ء میں محمد بن قاسم سترہ سالہ نوجوان مسلم سپہ سالار نے سندھ کو فتح کیا اور راجہ داہر کا راج ختم کر کے ہندوستان میں اسلامی حکومت کا سنگِ بنیاد رکھا۔ بیشتر آبادی کو انسانیت کے حقوق ملے جو صدیوں سے راجاؤں، ٹھاکروں، پروہتوں، برہمنوں اور جاگیرداروں کے جبر و استبداد کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی تھی۔ خطہ کی عوام جو پہلے ہی ظلم کے نظام سے تنگ آچکی تھی بہت تیزی سے اسلام کے نئے اور عدل و انصاف والے نظام کو بسر و چشم قبول کر لیا۔

محمد بن قاسم کی حکومت

محمد بن قاسم نے نئے ملک اور نئے حالات کا بغور مطالعہ کیا اور وہ اس نتیجہ پر پہنچا کہ یہاں کے دفتری نظام کو بڑی حد تک سابقہ طریقہ پر برقرار رکھنا چاہیے۔ اس نے حسبِ ضرورت اصلاح کی اور راجہ داہر کے وزیر کا مشورہ مانتے ہوئے مالی اور دفتری نظام برہمنوں ہی کے ہاتھ میں رکھا۔ مسلمان، فوج اور سپہ کی ذمہ داریاں پوری کرتے تھے۔ ہندوؤں کے مقدمات ان کی پنچایتوں میں طے ہوتے تھے۔ ان کو ذِمیوں کے حقوق اور پوری مذہبی آزادی دی گئی۔ محمد بن قاسم کے ایک استفسار کے جواب میں حجاج بن یوسف (م95ھ 714ء) نے ذمیوں کے متعلق واضح طور پر ہدایات بھیجیں۔

”چوں ذمی شدند، درخون ومالِ ایشاں دستِ تصرف ما مطلق نباشد، اجازت کردہ شد تا معبود خود را عبادت کنند و ہیچ کس را از کیش خود منع و زیر نکنند تا بخانہ ہائے خود برائے خود زندگانی کنند“[1]

” چونکہ یہ ذمی ہو گئے ہیں اس لیے ان کے جان و مال کو کسی قسم کا نقصان نہ پہنچنا چاہیے اور ان کو اجازت دی گئی کہ اپنے معبود کی عبادت کریں اور کوئی شخص ان کو ان کے مذہب سے منع نہ کرے تا کہ وہ اپنے گھروں میں اطمینان سے زندگی بسر کریں۔“

اس طرح محمد بن قاسم نے رعایا کے دل میں رواداری اور انصاف پسندی کی بدولت ایک خاص مقام حاصل کر لیا۔ اکثر شہروں اور قصبوں کے فتح کرنے پر وہاں کے عوام الناس، تاجروں اور دست کاروں کو عام معافی دی اور اس طرح ان کے قلوب کو مسخر کر لیا۔ چچ نامہ میں اس طرح کے اکثر حوالے ملتے ہیں۔

---

[1] علی بن حامد کوفی، ”مخطوطات چچ نامہ“، (مرتبہ: ڈاکٹر عمر بن محمد داؤد پوتہ)، (انڈیا: مجلس ملفوظات فارسیہ، حیدر آباد، 1939ء)، ص:211۔

” مردمانِ صناع وتجار وعوام الناس رااماں داد وبندیانِ ایشاں رابگزاشت۔“[2]

”صنعت کاروں، تاجروں اور عوام الناس کوامان دی اور ان کے قیدیوں کو رہا کر دیا۔“

چنانچہ جب محمد بن قاسم کو قید کر کے عراق بھیجا گیا تو علاقہ سندھ وملتان کے لوگ روتے تھے اور ایک روایت کے مطابق باشندگان کیسرج نے تو اس کی تصویر بھی بنوائی تھی۔ یہ انھوں نے اپنے طور پر محمد بن قاسم سے عقیدت کا اظہار کیا یہاں صرف اس کو بیان کیا گیا ہے۔ کیونکہ اسلام میں مجسمہ بنانے کی قطعاکوئی گنجایش موجود نہیں۔ بلاذری (ف279ھ، 892ء) ”فتوح البلدان“ میں لکھتا ہے:

”فبکیٰ اهل الهند علیٰ محمد و صورة بالکیسرج۔“[3]

”اہلِ ہند نے محمد بن قاسم کے لیے گریہ وزاری کی اور کیسرج میں اس کا مجسمہ بنایا۔“

ابو ظفر ندوی تاریخ سندھ میں اس کے بعد والے مرحلے کے بارے لکھتے ہیں:

”ابو جعفر منصور خلیفہ عباسی نے عمر بن حفص کو والی سندھ بنا کر بھیجا تھا۔ اسی زمانہ میں 142ھ، 759ء کے لگ بھگ سندھ میں اسماعیلیت کا داخلہ ہوا اور عبداللہ الاشتر علوی تبلیغ کی غرض سے یہاں پہنچے۔“[4]

ابو ظفر مزید لکھتے ہیں:

”270ھ میں پہلا اسماعیلی داعی، ہیثم سندھ میں آیا اور یہاں پہنچ کر اس نے اپنے عقائد کی 883ھ میں تبلیغ کی اور فاطمیوں کی بیعت کی تلقین کی۔“[5]

ابو ظفر ندوی کی تحقیق کے مطابق محمد بن قاسم کے سندھ سے واپس جانے کے بعد اسماعیلیوں کا سندھ میں داخلہ ہوا اور انھوں نے مسلمانوں کو فاطمیوں کی بیعت کے لیے راغبت دلائی۔

فریدی تاریخ ملتان میں اسماعیلیوں اور فاطمیوں کے بارے تحریر کرتے ہیں:

”347ھ میں اسماعیلی ملتان پر قابض ہو گئے اور تقریباً 354ھ میں حلم بن شیبان نے اپنی تقرری کے بعد فاطمی حکومت کو استحکام بخشا۔“[6]

---

[2] علی بن حامد کوفی، ”چچ نامہ“، ص: 309۔

[3] احمد بن یحیٰ بن جابر بلاذری، **فتوح البلدان** (بیروت: دار النشر للجامعین، 1957ء)، ص: 218۔

[4] ابو ظفر ندوی، ”تاریخ سندھ“ (اعظم گڑھ: دار المصنفین، 1927ء)، ص: 150، 149۔

[5] ایضاً۔

شیخ محمد اکرم آب کوثر میں فاطمیوں کے بارے لکھتے ہیں:

"ملتان اور سندھ پر فاطمیوں کا اقتدار 401ھ تک قائم رہا۔"[7]

تبلیغ اسلام

محمد بن قاسم نے قیام حکومت کے ساتھ تبلیغ اسلام کے فرائض بھی باحسن وخوبی سرانجام دیے۔ حجاج بن یوسف کی محمد بن قاسم کو واضح ہدایات تھیں کہ تبلیغ اسلام پر پوری توجہ دی جائے۔ وہ اپنے مکتوب میں لکھتا ہے:

"ہریک را بکلمۂ اسلام استدعا کنید و ہر کہ بعز اسلام مشرف گردد او را تربیت کنید۔"[8]

"ہر ایک کو کلمہ اسلام کی دعوت دی جائے، جو اسلام سے مشرف ہو جائے اس کی (اسلامی اصولوں پر) تربیت کی جائے۔"

مولائے دیبلی قبولِ اسلام کے بعد محمد بن قاسم کی طرف سے سفیر بن کر داہر کے دربار میں گئے اور ایک مسلمان کا کردار ادا کیا۔ محمد بن قاسم جس شہر یا قصبہ کو فتح کرتا وہاں سب سے پہلے مسجد کی بنیاد رکھتا تھا۔ نیرون کے بارے میں ہے:

" محمد، شحنہ را درونِ حصار نصب کرد مسجدے بنا نمود و بانگ نماز و امام متعین فرمود۔"[9]

"محمد (بن قاسم) نے قلعہ کے اندر کوتوال مقرر کر دیا، ایک مسجد کی تعمیر کی نیز اذان کا اہتمام اور امام کا تقرر کیا۔"

ریاست مدینہ کی طرز پر مسلمانوں کی تعلیم و تربیت کے لیے مساجد کا قیام کیا گیا کیونکہ یہاں مسلم آبادی کو اسلام کی بنیادی تعلیم حاصل کرنے میں آسانی ہوتی۔ یہاں سے یہ بات آسانی سے معلوم ہو جاتی ہے کہ محمد بن قاسم نے اسلام کی ترویج و اشاعت کے لیے بہت زیادہ اقدامات کیے۔ مسلمانوں کی تعلیم و تربیت کے لیے بھی انتظامات کروائے۔

"اسی طرح ارور کی فتح کے بعد وہاں کے باشندوں پر خراج مقرر کر دیا اور مسجد کی تعمیر کی۔"[10]

---

[6] نور احمد خان فریدی، "تاریخ ملتان"، (ملتان: قصر الادب، 1977ء)، ص: 108، 109۔

[7] شیخ محمد اکرام، "آبِ کوثر"، (لاہور: ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، 2006ء)، ص: 387۔

[8] علی بن حامد کوفی، "چچ نامہ"، ص: 137۔

[9] ایضاً، ص: 118۔

”چچ نامہ“ کے مؤلف کا بیان ہے:

”چوں برا کابر و اعیان شہر ملتان عہد وثیق کرد، مسجد جامع و منارہ بنا کرد و امیر داؤد بن نصر بن ولید عمانی بامارت نصب کرد۔“ [11]

”جب ملتان کے اکابر اور اعیان سے عہد پختہ ہو گیا تو جامع مسجد اور منارہ تعمیر کرایا اور امیر داؤد بن نصر بن ولید عمانی کو امیر مقرر کیا۔“

ان حوالوں کی روشنی میں یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ محمد بن قاسم نے پوری ذمہ داری کے ساتھ تبلیغِ اسلام کا فریضہ سرانجام دیا اور مساجد و مدارس قائم کر کے مسلم معاشرہ کو استحکام بخشا۔

” اس نے خاص کام یہ کیا کہ سندھ کے بڑے بڑے زمینداروں اور ٹھاکروں کو تبلیغ کے دعوت نامے بھیجے اور واضح طور سے لکھا کہ اسلام قبول کرنے کی صورت میں خراج معاف کر دیا جائے گا۔ ان میں سے بعض نے اسلام قبول کر لیا اور بعض نے خراج دینے پر آمادگی ظاہر کی۔“[12]

محمد بن قاسم کے بعد حکمرانوں نے بھی حتیٰ الوسع تبلیغِ اسلام کے فرائض انجام دیے بلکہ کبھی کبھی تو براہِ راست دربارِ خلافت سے برّصغیر پاک و ہند کے راجاؤں اور زمینداروں کو تبلیغی خطوط پہنچتے تھے اور ان کا خاطر خواہ اثر ہوتا تھا۔ عرب کے مسلم حکمرانوں نے بھی ہند میں اسلام کی اشاعت کے لیے کوششیں کیں۔ جیسا کہ خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کے بارے آتا ہے:

”99ھ/ 717ء میں جب عمر بن عبدالعزیز خلیفہ ہوئے تو انھوں نے اکثر راجاؤں کو تبلیغی خطوط لکھے۔ بعض نے اسلام بھی قبول کیا۔“[13]

اس سے معلوم ہوا کہ عرب کے مسلم حکمرانوں نے تبلیغ اسلام سے متعلق ہندوستان کو نظر انداز نہیں کیا تھا۔ اپنے اپنے انداز میں اسلام کا پیغام پہنچاتے رہیں۔ جیسا کہ درج بالا حوالہ سے معلوم ہو رہا ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے تبلیغ اسلام کی غرض سے برّصغیر کے غیر مسلم حکمرانوں سے بذریعہ خط و کتابت رابطہ رکھا۔ ان خطوط کے ذریعے ان کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی اور آپ کی کوشش رنگ لے کر آئیں جس بنا پر کچھ ہندو راجاؤں نے اسلام قبول بھی کیا۔

ابو ظفر ندوی تاریخ سندھ میں راجاؤں کے مسلمان ہونے کے متعلق لکھتے ہیں:

---

[10] احمد بن یحیٰ ابن جابر بلاذری، **فتوح البلدان**، ص: 617۔

[11] علی بن حامد کوفی، ”چچ نامہ“، ص: 241۔

[12] علی بن حامد کوفی، ”چچ نامہ“، ص: 309۔

[13] احمد بن یحیٰ ابن جابر بلاذری، **فتوح البلدان**، ص: ٦٣٠۔

”اسی طرح جب 158ھ/ 774ء میں مہدی سریرآرائے خلافت ہوا تو اس کے تبلیغی خطوط کے جواب میں پندرہ راجاؤں نے اسلام قبول کیا۔“[14]

پھر تو نوبت یہاں تک پہنچی کہ بعض راجاؤں کو خود اسلام کے عقائد و تعلیمات کی تحقیق و معلومات کا شوق پیدا ہوا۔ بزرگ بن شہریار نے ”عجائب الہند“ میں لکھا ہے:

”کشمیر بالا اور کشمیر زیریں کے علاقے کے ایک راجا مہروک بن رائک (رائق) نے منصورہ کے حاکم عبداللہ بن عمرو کو (270ھ، 883ء) میں ایک خط لکھا کہ مقامی زبان میں اسلام کے احکام اور قوانین کی تشریح کی جائے۔ چنانچہ اس نے اس مقصد کے لیے ایک عراقی نژاد نوجوان کو بھیجا جو عربی کے علاوہ مقامی زبان بھی جانتا تھا۔ اس نے راجا کی شان میں قصیدہ کہا اور قرآن کی تفسیر لکھی اور خیال ہے کہ وہ راجا مسلمان ہو گیا تھا۔“[15]

علمی ترقی

”محمد بن قاسم کے ہمراہیوں میں قراء اور حدیث کے عالم بھی تھے، ان ہی میں موسیٰ بن یعقوب ثقفی تھے جو ایک ممتاز عالم اور حدیث کے امام تھے، وہ ارور کے قاضی بھی مقرر ہوئے تھے۔“[16]

اس حوالہ سے یہ بات اچھی طرح معلوم ہو رہی ہے کہ محمد بن قاسم اس خطہ میں اسلام کی اشاعت کے لیے کتنا سنجیدہ تھا۔ اسی وجہ سے اس نے اپنے ساتھ علوم دینیہ کے ماہرین قراء کرام اور علماء کرام کو رکھا ہوا تھا۔ اس کا مطلب بالکل واضح ہے کہ ان حضرات کو صرف اور صرف اسلام کا کام لینے کے لیے ہی اپنے ہمراہ رکھا تھا۔ مولوی عبدالحئ مزید لکھتے ہیں:

”تبع تابعین (ہندو پاکستان میں دو تابعی یزید بن ابی کبشہ (ف 97ھ، 715ء) اور مفضل بن مہلب (ف 103ھ، 721ء) بھی آئے لیکن ان کا قیام بہت کم رہا۔“[17]

اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ دور رسالت سے بالکل قریبی زمانہ تبع تابعین کا ہے تو اس زمانہ کے مبلغین ہندوستان میں تبلیغ اسلام کے لیے آتے رہے۔

---

[14] ابو ظفر ندوی، ”تاریخ سندھ“، ص: 161۔

[15] ضیاء الدین اصلاحی، ”ہندوستان عربوں کی نظر میں“، (انڈیا: دارالمصنفین اعظم گڑھ، 1940ء)، ص: 193، 195

[16] عبدالحئ، مولوی، ”نزہۃ الخواطر“، (انڈیا: دائرۃ المعارف عثمانیہ، حیدرآباد دکن، 1927ء)، ج: 1، ص: 252۔

[17] عبدالحئ، مولوی، ”نزہۃ الخواطر“، ج 1، ص: 44، 45۔

مذہبی اور علمی حالت کی مزید وضاحت کرتے ہوئے ضیاالدین اصلاحی لکھتے ہیں:

””منصورہ میں کافی علماءِ حدیث ہیں اور میں نے یہاں قاضی ابو محمد منصوری داؤدی کو دیکھا جو اپنے مذہب کے امام اور صاحبِ درس و تدریس ہیں اور انھوں نے متعدد اچھی اچھی کتابیں بھی لکھی ہیں۔““[18]

پھر سندھ کی عام مذہبی حالت پر تبصرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

””سندھ کا کوئی بڑا شہر حنفی مذہب کے فقہاء اور علماء سے خالی نہیں مگر مالکیہ، معتزلہ اور حنابلہ بالکل نہیں ہیں۔ لوگ سیدھے راستے اور صحیح مسلک پر ہیں۔ نیک، پاکباز اور ان کے خصائل پسندیدہ ہیں۔““[19]

برّصغیر میں اسلامی تعلیمات کے فروغ میں صوفی علماء و فقہاء کا بہت بڑا کردار رہا۔ ضیاءالدین اصلاحی اس بارے لکھتے ہیں:

””اسلامی علوم و فنون کی ترقی اور اشاعت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ برّصغیر پاک وہند کے باشندے بھی ان علوم میں ماہر و کامل ہو گئے۔ ان میں ابوالحشر سندھی (م170ھ/786ء ان کے فرزند ابو عبدالمالک (م244ھ/ 858ء) حافظ ابو محمد خلف بن سالم (م231ھ/ 845ء) اور ابو نصر سندھی بڑے بڑے محدث، فقیہ اور اپنے فن کے امام گزرے ہیں۔ جنھوں نے بغداد جیسے اسلامی مرکز میں علم و فضل کی مسند کو زینت بخشی اور شہرت و ناموری حاصل کی۔““[20]

اہل علم نے تقریر و تدریس کے ساتھ تصنیف کے ذریعے بھی تبلیغ اسلام کا فریضہ سرانجام دیا۔ ابو ظفر ندوی اس کے متعلق مزید لکھتے ہیں:

””علم و ادب کی دنیا میں ابوالعطاء سندھی، اسحاق (م235ھ، 849ء) ابو ضلع سندھی، اور ہارون عبداللہ ملتانی وغیرہ کے اسمائے گرامی بقائے دوام کا درجہ رکھتے ہیں۔ ان میں سے اکثر حضرات صاحبِ تصنیف و تالیف ہیں۔““[21]

غرض کہ مسلمانوں نے برّصغیر پاک وہند میں اپنے اوّلین دورِ حکومت میں پوری تندہی اور کوشش سے تربیتی ادارے قائم کیے اور علوم و فنون کی نشر و اشاعت میں حصہ لیا۔ تبلیغِ اسلام میں پوری پوری کوشش کی، اسی کا نتیجہ ہے کہ آج پاکستان میں مسلمان اکثریت میں ہیں۔ یہاں یہ بات خاص طور پر قابل

---

[18] ضیاءالدین اصلاحی، ””ہندوستان عربوں کی نظر میں““، ج1: ص:384۔

[19] ایضاً۔

[20] ابو ظفر ندوی، ””تاریخ سندھ““، ص:360۔

[21] ایضاً۔

ذکر ہے کہ محمد بن قاسم اور اس کے بعد ولاۃ اور حکام کے ہمراہ اکثر محدثین اور علماء کرام آئے اور اس مقدس جماعت نے اس علاقہ میں تبلیغ کے فرائض انجام دیے۔

عہدِ غزنوی اور اشاعتِ اسلام

برّصغیر پاک وہند میں مسلمانوں کا دوسرا دورِ حکومت شاہانِ غزنویہ کی فتوحات سے شروع ہوا۔ 369ھ، 979ء کے قریب امیر سبکتگین نے برّصغیر کی شمال مغربی سرحد کے بعض اہم مقامات فتح کر کے پنجاب کے راجا جے پال کی قوت کو کمزور کر دیا۔ اس کے بعد جے پال سے اس کی بد عہدی کی وجہ سے دو مرتبہ بڑے سخت معرکے ہوئے، نتیجہ یہ ہوا کہ 380ھ، 990ء میں کابل اور پشاور کا تمام علاقہ راجا کے حیطہ اقتدار سے نکل کر امیر سبکتگین کے قبضہ میں پہنچ گیا۔ سبکتگین نے 387ھ، 997ء میں وفات پائی۔ اس کے بعد اس کے فرزند محمود غزنوی تخت نشین ہوا۔ جس کی کشور کشائی، ملک گیری، حوصلہ مندی، رعایا پروری، عدل وانصاف اور معارف نوازی مشہور زمانہ ہیں۔ محمود نے برّصغیر پاک وہند کے راجاؤں پر لگاتار حملے کر کے اپنی بہادری اور کشور کشائی کا سکہ بٹھا دیا اور آخر میں لاہور کے علاقہ کا الحاق غزنین کی حکومت سے باقاعدہ کر دیا۔ محمود غزنوی نے 421ھ، 1030ء میں وفات پائی۔

محمود غزنوی کی شخصیت اور حکمرانی کے بارے میں ہاشمی فرید آبادی لکھتے ہیں:

’’محمود نہایت بالغ نظر، غیر متعصب اور علم پرور حکمران تھا۔ اس کی فوج کے کئی ہندو عہدیدار تھے۔ سوندرائے تلک اور ناتھ وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔‘‘[22]

محمود غزنوی کی دینداری کے متعلق الفنسٹن لکھتا ہے:

’’ محمود غزنوی نہایت دیندار اور سنی مسلمان تھا۔ وہ ہر لڑائی میں سر بسجود ہو کر خدا تعالیٰ سے دعا مانگتا تھا۔ ایک مثال بھی ایسی سننے میں نہیں آئی کہ اس نے کسی ہندو کو جبراً مسلمان کیا ہو اور ایک شہادت بھی ایسی نہیں ملتی کہ جنگ یا قلعہ گیری کے موقع کے سوا کسی ہندو کو قتل کیا ہو۔‘‘[23]

محمود غزنوی کے دربار کے علمی ماحول کے بارے قاسم فرشتہ لکھتے ہیں:

---

[22] ہاشمی فرید آبادی، ’’مآثر لاہور‘‘ (لاہور: ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، 1952ء)، ص: 37۔

[23] ایم الفنسٹن، ’’دی ہسٹری آف انڈیا‘‘، (مترجم: دی سائنٹیفک سوسائٹیز)، (انڈیا: سائنٹفک سوسائٹیز، علی گڑھ، 1867ء)، ص: 244۔

”سلطان محمود علم وادب کا بڑا سرپرست تھا۔ اس کے دربار میں اپنے عہد کے منتخب علماء وفضلاء شعراء و حکماء جمع تھے۔ فردوسی (م411ھ، 1020ء) عنصری (م431ھ، 1034ء) وغیرہ خاص طور سے مشہور ہیں۔“[24]

اس سے معلوم ہوا کہ سلطان محمود غزنوی کو علم وادب کی ترویج واشاعت میں ذاتی دلچسپی لے کر کردار ادا کیا۔

اس کے دینی ذوق وجذبے کے بارے میں مزید لکھتے ہیں:

”محمود غزنوی نے غزنین میں سنگِ مرمر کی ایک شاندار اور وسیع وعریض مسجد تعمیر کرائی جس کو ”عروس فلک“ کہا جاتا ہے۔“[25]

فرشتہ محمد قاسم کا محمود غزنوی کی تبلیغی کاوشوں کے بارے مزید لکھتے ہیں:

”اس کے قریب ایک دارالعلوم بنایا جس سے متعلق ایک عالی شان کتب خانہ بھی تھا، جس میں قیمتی کتابیں تھیں۔“[26]

محمود غزنوی کے امراء واعیان سلطنت بھی علوم وفنون اور رفاءِ خلق کے کاموں میں پورا پورا حصہ لیتے تھے۔ صاحبِ تاریخ فرشتہ لکھتا ہے:

”ہر یکے از امراء واعیانِ دولت بہ بنائے مسجد و مدارس و رباطات وخوانق مبادرت نمودہ، در اندک فرصت آن مقدار عمارات عالیہ ماتمام رسید، از خبر شمار بیرون گشت۔“[27]

” ہر ایک امیر اور رکن حکومت نے مساجد، مدارس، سرائیں اور خانقاہیں بنوانے میں سبقت لے جانے کی کوشش کی اور تھوڑی ہی مدت اس قدر شاندار عمارتیں بن گئیں کہ وہ احاطہ شمار باہر ہیں۔“

مسعود غزنوی اور اشاعتِ اسلام:

محمود غزنوی کے بعد اس کا بیٹا مسعود غزنوی تخت نشین ہوا۔ لاہور میں اس کا نائب نیال تگین تھا، نیال تگین کے بعد مجدود بمعیت ایاز نائب ہوا۔ ایاز 449ھ/ 1057ء میں فوت ہو گیا۔ لاہور میں (اندرون شاہ عالمی دروازہ، چوک رنگ محل) اس کی قبر بتائی جاتی ہے۔ مسعود بھی بڑا علم دوست حکمران

---

[24] محمد قاسم فرشتہ، ”تاریخ فرشتہ“، (لاہور: المیزان ناشران، 2008ء)، ص: 75۔

[25] محمد قاسم فرشتہ، ”تاریخ فرشتہ“، ص: 75۔

[26] ایضاً، ص: 51۔

[27] ایضاً۔

تھا۔ مشہور فاضل ابوریحان البیرونی نے قانونِ مسعودی اسی سلطان کے نام معنون کی ہے۔ البیرونی نے برّصغیر پاک وہند اور یہاں کے علوم وافکار پر مشہور تصنیف "کتاب الہند" لکھی ہے، جس کی بدولت علمی دنیا میں اس کا نام ہمیشہ باقی رہے گا۔ مسعود کی علم دوستی سے متعلق فرشتہ کا بیان ہے:

" دراوائل سلطنت اودر ممالک محروسہ چنداں مدارس ومساجد بنیاد نہادند کہ زبان بیاں از تعداد آں عاجز و قاصر است۔"[28]

"اس کے آغازِ حکومت ہی میں ملک کے اندر اس قدر مدرسے اور مسجدیں تعمیر ہوئیں کہ ان کی تعداد سے زبان وبیان عاجز و قاصر ہے۔"

مسعود کے بعد کئی حکمران تخت نشین ہوئے جن میں بہرام شاہ اپنی علم دوستی اور معارف پروری کی بدولت مشہور ہے۔ بہرام شاہ کا بیٹا خسرو علاؤالدین، غوری کے ہاتھوں شکست کھا کر برّصغیر پاک وہند پہنچا اور غزنوی خاندان کے آخری تین بادشاہوں کی حکمرانی موجودہ پاکستان کے علاقہ پر رہی جس کا دارالحکومت لاہور رہا۔ 582ھ، 1186ء میں خسرو ملک کو سلطان محمد غوری نے شکست دے کر لاہور پر قبضہ کر لیا اور غزنوی خاندان کے اقتدار کا خاتمہ ہو گیا۔

شیبانی خاندان اور اشاعتِ اسلام

دولتِ غزنویہ میں بادشاہ سلطان فرخ زاد بن سلطان مسعود اوّل (445ھ، 451ھ) سے بہرام شاہ (م552ھ) تک عربی النسل شیبانی خاندان کے بعض ارکان برّصغیر پاک وہند میں امارت ووزارت کے منصب پر فائز ہوئے۔ انھوں نے سپہ سالار کے فرائض سرانجام دیے۔ برّصغیر کے اکثر علاقوں کو فتح کیا۔ دولتِ غزنویہ کی حدود ووسعت میں اضافہ کیا اور غزنوی خاندان کے اقتدار کو وسعت دی۔ علم وفضل کی سرپرستی کی، مشہور شاعر رونی اور مسعود سعد سلمان اس کے تعریف کرنے والوں میں سے ہیں۔ ان کے قیام کا مقام لاہور تھا۔ یہ ایک تاریخی المیہ ہے ان عمائدین اور سپہ سالاروں کے حالات تفصیل سے نہیں ملتے۔ شعراء کے مدحیہ قصائد کے ذریعہ ہی ان کا تعارف ہوتا ہے۔

سیّد ہاشمی فرید آبادی لکھتے ہیں:

---

[28] ایضاً، ص: 57۔

”آخری امیر بحلیم کے سوا دوسرے شیبانیوں کا حال متداول اور میسر تاریخوں میں نہیں ملتا۔ ناچار ہمیں لاہوری سخن طراز رونی اور مسعود سعد کا سہارا لینا پڑتا ہے جنھوں نے ان امیروں کی مدح میں قصیدہ خوانیاں کی تھیں۔ اور وہ کسی قدر مغشوش صورت میں رہ گئی ہیں۔ شاعروں کی رہنمائی میں کسی صراطِ مستقیم کے ملنے کی توقع بھی نہ رکھنی چاہیے تاہم ایسے نامور عمائدین سپہ سالاروں کو نظرانداز نہیں کر سکتے۔“[29]

سید ہاشمی فرید آبادی اس بارے میں مزید لکھتے ہیں:

”شیبانی خاندان کا پہلا رکن جو دولتِ غزنوی میں اعلیٰ مناصب و مراتب پر فائز ہوا اور جس نے برّصغیر پاک و ہند میں کشور کشائی و فتوحات کے جھنڈے گاڑ دیے۔ وہ نجم الدین زریر شیبانی ہے۔“[30]

”جس کے باپ کی کنیت ابو حلیم شیبانی ہے اور یہ کنیت بطور خاندانی لقب کے بعد آنے والی اولاد و احفاد میں منتقل ہوتی رہی ہے اور برّصغیر کے بحلیم خاندان اسی سلسلۃ الذہب کی کڑیاں ہیں۔ اس خاندان کا آخری رکن، گورنر، سپہ سالار اور فاتح محمد علی شیبانی المعروف بہ محمد ابو حلیم ہے۔ جسے بہرام شاہ نے اپنی ناعاقبت اندیشی سے ختم کر دیا اور اس کے خاتمہ کے ساتھ ہی برّصغیر میں دولتِ غزنویہ کا بھی خاتمہ ہو گیا۔“ [31]

اس دور میں لاہور کے بارے مشہور ہے کہ فوج کی رہائش اور ٹریننگ کا مرکز تھا۔ اس کے علاوہ علم و فضل، شعر و ادب اور تہذیب و ثقافت کا بھی مرکز تھا۔

سیّد ہاشمی فرید آبادی لکھتے ہیں:

”نئے پایہ تخت لاہور میں ہم کئی اوّل درجے کے صاحبانِ علم و فضل اور معیاری شعراء کے نام سنتے ہیں جو دربار خسرو ملک کے متوسل تھے۔ بہر حال لاہور ہی سے امام صنعانی جیسے بزرگ استاذ حدیث اور ”آداب الحراب والشجاعۃ“ کا مشہور مصنف فخر مدبر مبارک شاہ منسوب کیے جائیں گے۔ علماء اور صدور میں چند نام ان کی شعر گوئی کی بدولت سلامت رہ گئے، جیسے افصح العجم سراج الدین منہاج، ثقۃ الدین جمال الفلاسفہ یوسف ابن محمد دربندی، شہاب الدین محمد

---

[29] ہاشمی فرید آبادی، ”مآثر لاہور“، ص: 113۔

[30] ایضاً۔

[31] ایضاً، ص: 124۔

ابنِ رشید محتاج، یوسف ابنِ نصر کاتب، ضیاء الدین عبد الرفق طبیب ایک باکمال انشاپرداز اور شاعر جسے خسرو ملک نے قید اور آخر میں قتل کرادیا، نصر اللہ فرقدی تھا، خاص دربار کے شعراء میں علی ابنِ عمر اور ابو بکر خسروی کا تذکرہ ملتا ہے۔''[32]

اسلامی معاشرہ کی تشکیل میں صوفیہ کا کردار

غزنوی خاندان کی حکومت کم و بیش دو سو سال رہی اور موجودہ پاکستان کے اکثر علاقے اس کی زیر نگیں تھے، جس کے نتیجہ میں جلد اسلامی معاشرے کو تقویت حاصل ہوئی، جگہ جگہ صدہا مساجد اور مدارس تعمیر ہوئے، عربی فارسی کی نشر و اشاعت ہوئی اور لاہور جلد ہی ایک اسلامی شہر بن گیا۔ اسی زمانہ میں لاہور میں شیخ حسین زنجانیؒ، حضرت داتا گنج بخش علی ہجویریؒ صاحبِ کشف المحجوب، ملتان میں شیخ اسماعیل محدثؒ، شاہ یوسف گردیزیؒ، اوچ میں صفی الدین گازرونیؒ، شاہ کوٹ میں سلطان سخی سرورؒ مشہور صوفیہ گزرے ہیں جنھوں نے تذکرہ و تبلیغ کے فرائض انجام دے کر ان علاقوں میں اسلام کو سربلند کیا اور ان صوفیہ کی کوششوں سے مختلف قومیں اور قبیلے مشرف باسلام ہوئے۔

خاندانِ غلاماں کے عہد میں صوفیہ کا اشاعتِ اسلام میں کردار

سلطان معز الدین محمد غوری کی فتوحات سے برّصغیر پاک و ہند میں مسلمانوں کا تیسرا دور شروع ہوا اور اسی دور میں برّصغیر میں مسلمانوں کی حکومت کی باقاعدہ بنیاد قائم ہوئی۔ دہلی اور اجمیر کی فتح کے بعد تمام دوآبہ پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ 3 شعبان (602ھ، 1206ء) کو اس خدا ترس، عادل اور فیاض بادشاہ کو ایک باطنی نے غزنین جاتے ہوئے شہید کر دیا۔ اس کے بعد معز الدین محمد غوری کا جانشین قطب الدین ایبک برّصغیر پاک و ہند کا پہلا مسلمان بادشاہ ہوا جس کی تاج پوشی کا باقاعدہ جشن بروز منگل بتاریخ 18 ذی قعدہ 602ھ، 1206ء لاہور میں منایا گیا اور وہی اس کی آخری آرام گاہ بنی۔ یہ سلطان بڑا عادل تھا۔ قطب الدین ایبک کے زمانہ میں اسلام کو خوب ترقی ہوئی۔ مساجد، مقابر اور خانقاہیں تعمیر ہوئیں۔ ہزاروں کی تعداد میں لوگ حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے۔[33]

خود سلطان شریعت کا بڑا پابند تھا اور شعائر اسلامی پورے طور سے رونق پذیر تھے۔ ''تاج المآثر'' کا مؤلف لکھتا ہے:

---

[32] ہاشمی فرید آبادی، ''مآثر لاہور''، ص: 13۔

[33] منہاج الدین عثمان، ''طبقاتِ ناصری''، (مترجم: غلام رسول مہر)، (لاہور: مرکزی اردو بورڈ، 1975ء)، ص: 29۔

’’شعائر الشرائع اسلام بہ غایت ظہور انجامید مناہج و شعائر مسلمانی بکمال وضوح پیوست۔‘‘[34]

’’اسلامی شریعت کے کاموں کو پوری طرح انجام دیا اور اسلامی شعائر اور طور طریقوں کو مکمل طور پر ظاہر کیا۔‘‘

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ برّصغیر پاک و ہند میں اسلام کی ترویج و اشاعت میں صوفیہ و علماء کے ساتھ وقت کے سلاطین نے بھی بھرپور کردار ادا کیا۔ اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ وہ سلاطین خود بھی دیندار تھے اور علوم اسلامیہ سے شناسائی رکھتے تھے۔ ایسے حکمران جن کو دین سے لگاؤ ہوتا ہے ان کے دل میں خوف خدا ہوتا ہے اور مخلوق خدا کی خدمت کے جذبہ سے سرشار ہوتے ہیں۔

قطب الدین ایبک کا زیادہ وقت ملکی فتوحات اور جنگی مہمات میں گزرا، لہٰذا اس کے عہد میں علمی سرگرمیاں محدود پیمانہ پر رہیں مگر پھر بھی بہاء الدین اوشی (607ھ، 1210ء) جمال الدین محمد اور حمید الدین وغیرہ فضلاء و شعراء اس کے دامنِ دولت سے وابستہ رہے۔ اور اس کے عہد کا نامور مؤرخ حسن نظامی نیشاپوری صاحبِ تاج المآثر برّصغیر پاک و ہند کا پہلا مسلمان مؤرخ ہے۔ قطب الدین ایبک کے دور کا ایک دوسرا نامور مصنف مبارک شاہ معروف بہ فخر و مدبر ہے جس نے ’’شجر الانساب‘‘ کے نام سے ایک ضخیم کتاب لکھ کر قطب الدین ایبک کے حضور پیش کی کتاب کے ابتدائی حصہ کو ایڈورڈ ڈینسون راس نے ’’تاریخ فخر الدین مبارک شاہ مروزی‘‘ کے عنوان سے 1927ء میں لندن سے شائع کروایا۔ قطب الدین کے بعد اس کا جانشین شمس الدین التمش ہوا جو اس سے قبل بدایوں کا صوبیدار رہ چکا تھا۔ التمش نے چھبیس سال حکومت کی۔ دیندار، اور درویش آدمی تھا۔ مسجد میں باجماعت نماز پنجگانہ ادا کرتا۔ حضرت قطب الدین بختیار کاکی کا عقیدت مند تھا۔ آپ کی خدمت میں اکثر حاضر ہوتا رہتا۔ لتمش کے زمانے میں دہلی میں علماء، فضلاء، مشائخ و صوفیہ کی تعداد میں خاصا اضافہ ہوا۔ بڑی تعداد میں لوگ ترکستان، ایران اور ماوراء النہر سے ترکِ وطن کر کے برّصغیر پاک و ہند میں پہنچے کیونکہ اس زمانہ میں کنار معول نے تباہی مچا رکھی تھی۔ ان علاقوں میں لوگوں کا مال و جان بالکل محفوظ نہ تھا اور ان کے لیے برّصغیر پاک و ہند ہی سب سے بڑا ملجا و ماویٰ تھا اور پھر التمش ان پناہ گزینوں کی بڑی تعداد کی قدر دانی فرماتا تھا۔[35]

اور یہ لوگ بھی ’’حضرت دہلی‘‘ کی علمی و ثقافتی زندگی کو خوب رونق اور آراستگی بخشتے تھے۔ عصامی لکھتا ہے:

---

[34] تاج الدین، حسن نظامی، ’’تاج المآثر‘‘ (دہلی نو: مرکز تحقیقات فارسی، س ن)، ص: 11۔

[35] منہاج سراج، ’’طبقاتِ ناصری‘‘، ص: 78۔

درآن شہریک رونقے شدپدید	بے سیدانِ صحیح النسب
بلے لذتے باشداندرجدید	رسیدنددروے زملک عرب
بے کاسبانِ خراسان زمین	بے عالمانِ بخاراانژاد
بے نقشبندانِ اقلیم چیں	بے زاہدوعابدازہربلاد
زہرملک وہرجنس صنعت گراں	بے ناقدانِ جواہرشناس
زہرشہروہراصل سیمیں	جواہرِفروشاں بروں ازقیاس
حکیمانِ یونان، طبیبانِ روم	بے اہلِ دانش زہرمزبوم
درآں شہرفرخندہ جمع آمدند	چوپروانہ برنور شمع آمدند''[36]

التمش کی فیاضی اور قدردانی نے دہلی کو علماء وفضلاء اور مشائخ وصوفیہ کا مرکز بنادیا۔ تاج الدین سنگریزہ، امیر۔روحانی، ناصری اور بہاءالدین علی جیسے شعراء، قاضی حمیدالدین ناگوریؒ (ف 641ھ، 1208ء) حاجی محمدالدین، فخرالملک عطائی، قاضی منہاج سراج، مولانا جمال الدین بسطامی، نورالدین مبارک غزنوی، جیسے علماء وفضلاء موجود تھے اور خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ، شیخ جلال الدین تبریزیؒ، شیخ بدرالدین غزنویؒ اور قاضی قطب الدین کاشانی جیسے مشائخ وصوفیہ رشدوہدایت کے ہنگامے گرم کیے ہوئے تھے۔

علماءوفضلاءاور صوفیہ کی تبلیغی کاوشوں کے بارے حسن نظامی مزید لکھتے ہیں:

'' علماءوفضلاء کے قیام کی وجہ سے برّصغیر پاک وہند کے بعض مرکزی شہروں اوچ، دہلی، بدایوں اور لکھنوتی۔ وغیرہ میں مدارس قائم ہوگئے تھے، جہاں علماءومدرّسین درس وتدریس کے فرائض بڑی ذمہ داری سے انجام دیتے تھے۔ ان مدارس کے قیام میں سلطان التمش نیز دوسرے امراء کی سرپرستی اور معارف پروری شامل تھی، سلطان التمش کے عہد میں بدایوں اور منڈاور (ضلع بجنور، یوپی۔ بھارت) میں عالی شان مساجد، عیدگاہیں اور حوض تعمیر ہوئے جوآج تک اس کی دینداری اور اسلام دوستی کی گواہی دے رہے ہیں۔ شمس الدین التمش کے بعد اس کا منجھلا بیٹا رکن الدین تخت نشین ہوا۔ اگرچہ اس کی

---

[36] عبدالملک عصامی، ''فتوح السلاطین''، (انڈیا: آگرہ کالج، 1938ء)، ص: 114۔

حکومت چند ماہ سے زیادہ نہ رہی مگر اس کی معارف پروری اور شعراء نوازی نے اس کو بقائے دوام بخش دیا۔ تاج الدین زہرہ اور شہاب الدین مہمرہ اس کے دامنِ دولت سے وابستہ رہے اور انعام و اکرام سے مستفیض ہوئے۔"[37]

اس کے بعد اس خاندان میں ناصر الدین محمود (664ھ، 1265ء) اور غیاث الدین بلبن (686ھ، 1287ء) قابلِ ذکر حکمران گزرے ہیں۔ اوّل الذکر نہایت دیندار، متقی، زاہد، عابد، سخی، عدل پرور، شب بیدار اور بردباد حکمران تھا۔ وہ درویشانہ زندگی بسر کرتا تھا یہاں تک کہ اپنے ذاتی مصارف قرآنِ کریم کی کتابت کے ذریعہ پورے کرتا تھا۔ صوفیہ اور مشائخ کا عقیدت مند اور علماء کا قدردان تھا۔ قاضی منہاج سراج نے اپنی مشہور کتاب "طبقاتِ ناصری" اسی سلطان کے نام معنون کی ہے۔ غیاث الدین بلبن بڑی شان و شوکت اور جاہ و جلال کا مالک تھا لیکن صوفیہ کا معتقد اور علماء کا قدردان تھا۔ اس کے عہد میں برہان الدین محمود، نجم الدین عبد العزیز، شیخ سراج الدین ابو بکر، شرف الدین ولوالجی، برہان الدین برّاز، قاضی رکن الدین سامانوی، علامہ کمال الدین، زاہد شمس الدین خوارزمی اور فخر الدین ناقلہ وغیرہ وہ علماء کرام تھے جن کے نام تاریخ میں بقائے دوام کا درجہ رکھتے ہیں۔ (689ھ، 1290ء) میں دہلی کا پہلا حکمران خاندان ختم ہو گیا۔

عہد خلجی خاندان میں صوفیہ کا اشاعتِ اسلام میں کردار

خلجی خاندان ہندوستان میں حکومت کرنے والا دوسرا خاندان ہے۔ اس خاندان کا پہلا حکمران جلال الدین خلجی تخت نشین ہوا۔ اس کے اخلاق و کردار کے بارے حسن نظامی لکھتا ہے:

"جمادی الاخریٰ (689ھ، 1290ء) کو جلال الدین خلجی ستر سال کی عمر میں دہلی کے تخت پر بیٹھا۔ یہ سلطان منکسر المزاج، حلیم، حق گو اور مذہب کا پابند تھا۔ اس کی پالیسی نہایت نرم تھی مگر "سیدی مولا" کا قتل اس کے عہد کا خاص واقعہ ہے۔"[38]

بقول بعض مورخین اس کے قتل کے عجیب واقعات پیش آئے اور عہدِ جلالی کا زوال شروع ہو گیا۔ بالآخر اپنے بھتیجے اور داماد علاء الدین خلجی کے ہاتھوں 695ھ، 1295ء میں قیدِ ہستی سے آزاد ہوا اور علاء الدین خلجی تختِ دہلی کا مالک ہو گیا۔ وہ بڑا باجبروت، کشور کشا، صاحبِ عزم اور فاتح بادشاہ تھا۔ شمالی ہند

---

[37] تاج الدین حسن نظامی، تاج المآثر، (مترجم: سید احسن)، (دہلی: قومی کونسل برائے اردو زبان، 2003ء)، ص: 135۔

[38] تاج الدین حسن نظامی، تاج المآثر، (مترجم: پروفیسر سید احسن الظفر، ص: 230

کی ہر چھوٹی بڑی طاقت نے اس کے اقتدار کو تسلیم کر لیا اور یہی وہ پہلا مسلمان حکمران تھا جس نے دکن کو فتح کر کے سلطنت کو وسعت دی۔ اس نے ملکی مصالح اور وقتی ضروریات کے پیشِ نظر ایک خاص نظام حکومت قائم کیا جو بڑی حد تک کامیاب رہا۔ راشننگ اور کنڑول کا اجراء کر کے قیمتوں میں اضافے اور اشیاء کی قلت کا انسداد کیا۔ وہ کبھی کبھی علماء سے مشورہ بھی کرتا تھا مگر اس پر عمل ضروری نہیں سمجھتا تھا۔ علاؤالدین اور قاضی مغیث سے مشورہ اور گفتگو اس کی صریح دلیل ہے۔[39]

علاء الدین خلجی اخلاق و عادات کے اعتبار سے قابل تعریف ہونے کے ساتھ ساتھ مذہب کا بڑا احترام کرتا تھا۔ علاء الدین خلجی نے عوام کے اخلاق کی درستگی، شراب نوشی کا انسداد، سحرہ خوں آشام کا خاتمہ اور اباحیتوں کا استیصال کیا۔ طوائفوں کو نکاح پر مجبور کر کے اصلاح معاشرہ کی پوری کوشش کی۔ مشائخ وصوفیہ سے بھی عقیدت رکھتا تھا۔ بو علی شاہ قلندرؒ، شیخ رکن الدین ملتانیؒ اور شیخ نظام الدین اولیاءؒ بدایونی سے اس نے اکثر مواقع پر اظہارِ عقیدت کیا ہے۔[40]

سلاطین کی اس دینی سوچ اور اسلامی اقدار پر توجہ کی اہم وجہ صوفیہ کرام کی تربیت کا ہی اثر تھا۔ اس لیے سلاطین کے عہد میں جو بھی اشاعت اسلام کا کام ہوا اس کا سہرا اس عہد کے صوفیہ کے سر ہی سجتا ہے۔ تاریخ اس بات پر گواہ ہے کہ جن حکمرانوں کے دل میں دین اور دین والوں کی محبت اور قدر موجود تھی ان کو اللہ تعالیٰ نے قابل رشک مقبولیت دی۔ مخلوق خدا کے دل میں ان حکمرانوں کی محبت اللہ پاک نے ڈال دی۔ پھر ایسے حکمرانوں نے اپنی رعایا کی فلاح و بہبود کے لیے بھی بہت زیادہ کام کیے۔ اس کے ساتھ دین اسلام کی ترویج واشاعت کے لیے بھی بھرپور کردار ادا کیا۔ علم وفضل کے اعتبار سے بھی عہدِ علائی قابل ذکر ہے۔ اس کے عہد میں بڑے بڑے علماء فضلاء اور دانشور دہلی میں جمع تھے۔

شیخ نورالحق لکھتے ہیں:

”طوائف اہلِ فضل وخداوند کمال (کہ) در عصر وے جمع آمدہ بودند، در ہیچ عصرے نیامد بلکہ نخواہد آمد۔“[41]

”اہلِ فضل وکمال کے جتنے گروہ اس عہد میں جمع ہوگئے تھے، کسی عہد میں نہیں ہوئے بلکہ نہ آئندہ ہوں گے۔“

---

[39] ملا عبدالقادر بدایونی، ”منتخب التواریخ“، (مترجم: علیم اشرف خان)، (دہلی: قومی کونسل برائے فروغ اردو، 2008ء)، ص: 49۔

[40] خلیق احمد نظامی، ”سلاطینِ دہلی کے مذہبی رجحانات“، (دہلی: ندوۃالمصنفین، 1985ء)، ص: 223۔

[41] خلیق احمد نظامی، ”سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات“، ص: 226۔

ضیاءالدین برنی نے اپنی ”تاریخ فیروز شاہی“ میں صرف دہلی میں علاءالدین خلجی کے زمانہ کے چالیس علماء کے نام تحریر کیے ہیں۔ ان میں قاضی مغیث قاضی محی الدین کاشانیؒ، مولانا کمال الدین کولی، مولانا وجیہ الدین پائلی اور شمس الدین یحییٰ کے نام ممتاز ہیں۔[42] عہدِ علائی کے متعلق امیر خسرو لکھتے ہیں:

خوشا ہندوستان و رونق دیں	شریعت را کمالِ عزو تسکین
ز علم با عمل دہلی بخارا	ز شاہاں گشتہ اسلام آشکارا
ز غزنیں تالبِ دریا دریں باب	ہمہ اسلام بینی بر یکے باب
مسلمانانِ نعمانی روش خاص	زوال ہر چار آئیں را با خلاص
زہے خاک مسلماں خیر دیں جوے	کہ ماہی نیز معنی خیز داز جوے[43]

حضرت امیر خسرو ان اشعار میں عہد علائی میں جو دین کا کام ہوا اور جس طرح علماء و صوفیہ کرام نے اشاعت اسلام کے لیے اپنا کردار ادا کیا اس کی تحسین کی گئی ہے۔ خود امیر خسروؒ 725ھ، 1325ء) حسن سنجریؒ (ف 736ھ، 1332ء) اور شیخ نظام الدین اولیاءؒ (ف 725ھ، 1324ء) عہدِ علائی کی زندہ جاوید ہستیاں ہیں۔ اسی سلطان کا زمانہ تھا کہ مخدوم جلال الدین بخاری جہانیاں جہاں گشتؒ پیدا ہوئے۔ اس وقت برّصغیر پاک وہند (دہلی) میں مسلمانوں کی سلطنت کے قیام کو کم و بیش سو سال گزرے تھے اور حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشتؒ کی عمر تقریباً تیرہ سال تھی کہ خلجی خاندان کے اقتدار کا 720ھ، 1320ء میں خاتمہ ہو گیا۔

اشاعتِ اسلام کے لیے صوفیہ کی تبلیغی کوششوں کے اثرات

برّصغیر پاک وہند میں مسلم اقتدار نے اس خطہ کی کایا پلٹ دی۔ ہر شعبہ زندگی میں انقلاب آیا اور ملک کو سیاسی استحکام نصیب ہوا۔ خانقاہیں، مدرسے، سرائیں، مسجدیں، نہریں، کنوئیں اور پل وغیرہ تعمیر ہوئے۔ دہلی میں قطب مینار، مسجد قوۃ الاسلام اور علائی دروازہ جیسی عالی شان عمارتیں تعمیر ہوئیں۔ صوفیہ کی مقدس جماعت نے برّصغیر پاک وہند میں اصلاح و تبلیغ کا بڑا کام انجام دیا۔ اکابر صوفیہ میں حضرت داتا گنج بخش ہجویریؒ، خواجہ معین الدین چشتیؒ،

---

[42] ضیاءالدین برنی، ”تاریخ فیروز شاہی“، (علی گڑھ: سرسید اکیڈمی، 2005ء)، ص: 353۔

[43] امیر خسرو، ”مثنوی دول رانی خضر خان“، (مرتبہ: مولانا رشید احمد سالم)، (علی گڑھ: سرسید اکیڈمی، 1917ء)، ص: 46۔

خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ، قاضی حمید الدین ناگوریؒ، حمید الدین صوفی سوالیؒ، شیخ جلال تبریزیؒ، بابا فرید الدین گنج شکرؒ، بہاء الدین زکریا ملتانیؒ، نظام الدین اولیاءؒ، بو علی شاہ قلندرؒ، شیخ صدر الدین ملتانیؒ اور شیخ رکن الدین ابو الفتحؒ وغیرہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ مسلمانوں کی آمد سے پہلے برّ صغیر پاک و ہند کی اکثریت ایک کرب عظیم میں مبتلا اور زندگی کے بنیادی حقوق سے محروم تھی۔ ذات پات کی بے جا قیود سے انسانیت بری طرح کراہ رہی تھی۔ معاشرہ میں شودروں کا کوئی مقام نہ تھا اور وہ جانوروں سے بھی ذلیل سمجھے جاتے تھے۔ اسلام ان لوگوں کے لیے سایہ رحمت ثابت ہوا۔ صوفیہ کرام انسانیت کے اعلیٰ اصولوں کی تبلیغ کرتے اور اتحاد و محبت کا پیغام دیتے توحید اور عالمگیر انسانیت کے اعلیٰ اصول عملی طور سے پیش کرتے جنھیں دیکھ کر گروہ در گروہ اور قبیلے کے قبیلے مسلمان ہوتے گئے۔

سیّد ہاشمی فرید آبادی تبلیغی سرگرمیوں کا جائزہ لیتے ہوئے لکھتے ہیں:

”مسلمانوں سے جب ان (پارچہ بافوں) کا معاشی رابطہ بڑھا تو سب سے پہلے یہی لوگ اسلامی دائرہ میں کھنچ آئے اور ان میں مذہبِ اسلام کی اتنی اشاعت ہوئی کہ اب ہندوستان میں پارچہ بافوں کی اکثریت مسلمان ہے۔ اسی طرح دوسرے پیشہ ور آہستہ آہستہ اسلام کی طرف مائل ہونے لگے (اور) مسلمانوں کی تعداد میں آئندہ اضافہ ہوا۔“[44]

خواجہ مبارک العلوی لکھتے ہیں:

”حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری کے قدم مبارک کی برکت سے یہ علاقہ اسلام سے منور ہو گیا۔“[45]

اس میں کوئی شک نہیں کہ ہندوستان میں اسلام شمع فروزاں کرنے میں ان نفوس قدسیہ کا بہت گہرا عمل دخل رہا۔ ان صوفیہ کرام کی شب و روز کی محنت اور بالخصوص ان کے روشن کردار نے دین اسلام کی تبلیغ میں بہت اہم کردار ادا کیا۔

بابا فرید گنج شکر نے پاک پتن کو رشد و ہدایت کا مرکز بنایا اور پنجاب میں اسلام کی خوب اشاعت فرمائی۔ راجپوتوں کے کئی قبیلے مثلاً سیال اور وٹو وغیرہ ان کے ہاتھ پر مشرف باسلام ہوئے۔[46]

---

[44] ہاشمی فرید آبادی، سید، ”تاریخ مسلمانانِ پاکستان و بھارت“، (لاہور: ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، 1956ء)، ج: 1، ص: 222۔

[45] شہزادہ دارا شکوہ قادری، ”سفینۃ الاولیاء“، (کراچی: نفیس اکیڈمی، 1959ء)، ص: 128۔

[46] محمد اکرام، شیخ، ”آبِ کوثر“، ص: 251۔

پاک پتن میں ایک پوری برادری مع اپنے مقتداء کے جو ایک جوگی تھے، فرید الدین گنج شکر کی توجہ سے مسلمان ہو گئی۔ راجپوتوں کے بعض دوسرے قبیلے جاٹ وغیرہ نے بھی حضرت بابا فرید الدین گنج شکر کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔[47] اسی طرح بابا گنج شکر کی اولاد اور سجادہ نشینوں کی توجہ سے بھی بعض راجپوت قبائل اور سودرھی برادری مسلمان ہوئی اور اسی برادری کے لوگ بابا فرید کے مزار پر چراغ بتی کرنے والے اور جاروب کش تھے۔[48] بو علی شاہ قلندر مشہور صوفی بزرگ گزرے ہیں، ان کے ہاتھ پر اکثر راجپوت مسلمان ہوئے۔ ایک شخص امر سنگھ نامی نے قلندر صاحب کی توجہ سے اسلام قبول کیا، جس کی اولاد پانی پت کے محلّہ راجپوتاں میں رہتی تھی۔[49]

شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی کے ایک خلیفہ صلاح الدین بلرامی (ف 820ھ۔ 1417ء) کے دستِ حق پرست پر نواح بدایوں کا ایک گروہ، جو عرفِ عام میں ''چودھری'' کہلاتا تھا، مشرف باسلام ہوئے۔ چودھریوں کی آبادی کھیڑہ بزرگ، عارف پورہ نوادہ، تال گانوں، بنیٹی، دوگرّیا، لائی، بری حسین پور، خاص پورہ، گورپری، نظام پور، بن گڑھ، محی الدین نگر وغیرہ میں ہے۔[50]

غرض صوفیہ کرام کی مقدس جماعت نے برّصغیر پاک و ہند میں اشاعتِ اسلام کی پوری پوری کوشش کی اور ان کی مساعی جمیلہ کا یہ نتیجہ ہے کہ برّصغیر پاک و ہند میں اکثریت ان لوگوں کی ہے جو اسی ملک کے رہنے والے ہیں۔[51]

خلاصۂ بحث

ہندوستان کی اکثر عوام صوفیہ کرام کی کاوشوں سے ہی مشرف باسلام ہوئے۔ کاش مسلم سلاطین، امراء، سپہ سالار، علماء نیز دوسرے بااثر طبقے اشاعتِ اسلام میں حصہ لیتے تو برّصغیر کا نقشہ ہی کچھ اور ہوتا اور یہ بھی حقیقت ہے کہ برّصغیر پاک و ہند کی جن قوموں، قبیلوں اور برادریوں نے اسلام قبول کیا تھا، ان کی تعلیم و تربیت اور فلاح و بہبود کا پورا پورا حق ادا نہیں ہوا بلکہ معاشی و اقتصادی مصلحتوں کے پیشِ نظر ان کا شمار معاشرہ میں دوسرے درجے پر ہوا۔ اگرچہ یہ بات اسلامی تعلیم اور اصولوں کے سراسر منافی ہے۔ یہ تقسیم آج بھی موجود ہے۔

---

[47] محمد علی اصغر چشتی، ''جواہر فریدی''، (لاہور: کریمی پریس، 1914ء)، ص: 293۔

[48] ایضاً، ص: 350۔

[49] شیخ عنایت اللہ، ڈاکٹر، ''دعوتِ اسلام'' (لاہور: محکمہ اوقاف پنجاب، 2017ء)، ص: 301۔

[50] غلام شبیر بدایونی، مولوی، ''تذکرہ نوری''، (فیصل آباد: 1968ء)، ص: 6۔

[51] شیخ عنایت اللہ، ''دعوتِ اسلام''، ص: 271۔